وہ علم بشر میں نہ تھا۔ بلکہ صرف علم بشر میں صفت بشری تھی جو بارِ امانت کے حمل (اٹھانے) کے لئے بالکل بے بضاعت اور ناکارہ تھی۔ ایسی بے بضاعتی و کمزوری کی حالت میں اس بار امانت کے اٹھانے کا اقرار کرنا سراسر جہالت اور اپنی جان پر ظلم کرنا نہیں تو اور کیا ہے اسی بنا پر رب العالمین نے اس کو ظلوماً جھولاً فرمایا۔" اس عبارت میں صفتِ بشری کو" ناکارہ تھی" کہنا احسان کے احسن تقویم ہونے کے منافی۔ اور کلام الٰہی کی تردید ہے۔

ہم پہلے بھی مفسرین کی رائے کا اظہار کر آئے ہیں کہ امانت سے مراد تکالیفِ شرعیہ فرائض دینیہ اور حدود شریعت ہیں۔ اور یہ تمام احکام شریعت ہی ہیں۔ اب آخر میں ایک روایت حضرت علیؓ سے کہتے ہیں۔ "کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا چہرہ مبارک زرد پڑ جاتا اور رنگ بدل جاتا تھا۔ تو اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ وقت امانت کا آگیا ہے۔ اللہ رب العزت نے امانت کو پیش کیا تھا اور آیۂ مذکور کو تلاوت فرمایا۔ فرمایا۔ میں نے اٹھایا اس امانت کو باوجود اپنی ذاتی کمزوری کے میں نہیں جانتا کس طرح ادا کروں گا۔ (روح المعانی)

اب اس کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ یہاں امانت یا بارِ امانت سے معرفت ذات وصفاتِ حق نہیں اور نہ محبت یا افراطِ محبت، یا دردِ عشق مراد ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ معرفتِ رب حق تعالیٰ بالکل ذاتی و وجدانی چیز ہے۔ ذوق و وجدان فطری تقاضہ کے مطابق ہوتا ہے۔ علی ہذا محبت و عشق وغیرہ غیر ارادی حرکت سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسانی جدو جہد و کوشش وسعی سے کام نہیں چلتا۔ یہ ایک وہبی چیز ہے۔ قدرت نے ہر انسانی روح میں یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ ذاتی طور پر اپنے رب کو پہچانے اور حق سبحانہ کا نہ پہچاننا گناہوں کے ان پردوں کی وجہ سے تھا۔ جو ملکی و روحانی شعاعوں کو دھندلا کر دیتے ہیں۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جہاں نفسِ انسانی کسی تکلیف و بلا میں مبتلا ہوا انسان کو اپنے عجز و ناچاری کا جہاں احساس ہوا تو فوراً باری تعالیٰ کو پکارتا ہے یا کم از کم ایسی قوت سے امداد کا طالب ہوتا ہے جو ظاہری قوتوں سے بالاتر اور بڑی عظمت و کبریائی کی مالک ہو۔

امانت کا برداشت کرنا، یا ذمہ داری لینا۔ نقل و حرکت چاہتا ہے۔ اس کی حفاظت جدو جہد و کوشش

کی طلبگار ہے جس کا ثبوت تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ امانت ، فرائض واطاعتِ الٰہی و دین کا نام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البدور البازغہ کے مقالہ ثانی میں فرماتے ہیں۔

"یہ پُر از یقین دلائل سے ثابت ہو گیا کہ واجب الوجود ذات ہے جس کی طرف تمام ممکنات کو منسوب کیا جاتا ہے اور سمجھداری کے لحاظ سے یہ نفس کا کمال ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کو اس کی وحدت وصفاتِ کمالیہ کے لحاظ سے پہچانے ہر وہ تغیر و تبدل جو صورت کا دوسری صورت میں ہوتا ہے تو اس کا فاعلِ حقیقی یعنی تبدیل کرنے والا وہ رحمٰن ہے جو صورت و شکل سے برتر ہے تو ہمارے لئے یہاں یہی مناسب ہے کہ بات کو اسی طریقہ سے مانیں جس طرح یا طریقہ سے اللہ رحمٰن نے انسانی ودیعت کا لحاظ طبیعتِ انسانی میں کیا کہ اپنی طبائع میں ودیعت کردہ شے کی بدولت وہ ہدایت پاتا ہے اور اس کی ذات کے پہچان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔" لہ

اس کے بعد اس کی وضاحت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اما الرجل الحنیف فقال لئن	مگر وہ آدمی جو خالصاً متوجہ الی اللہ ہے وہ کہے۔
لم یھد نی ربی لاکونن من القوم	اگر مجھ کو اللہ نے ہدایت نہ دی تو میں گمراہ ہونیوالی
الضالین فتجرد الی فطرتہ	قوم میں سے ہو جاؤں گا تو یہ شخص اپنی فطرت کی
ان ربہ اودع فی فطرتہ	طرف متوجہ ہوا کہ اس کے رب تعالیٰ نے اس کی فطرت
علماً حقا و معرفۃ حقۃ	میں علم حق و معرفت حق کو ودیعت کر دیا ہے
علی ما یناسب فطرتہ لہ	اس کی مناسبت کے لحاظ سے۔

جو چیز فطری طور پر انسان میں پائی جاتی ہے وہ امانت نہیں کہلائی جا سکتی اور نہ خالق حقیقی ودیعت کرتے وقت کسی سے کہہ سکتا ہے کہ تو اس کو برداشت کر لے اور نہ فطرت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ نہ ثواب و عذاب کا تعلق معرفت و عدم معرفت سے قائم ہو سکتا ہے کیونکہ

لہ و لہ البدور البازغہ فصل فی بیان معرفۃ اللہ تعالیٰ المودعۃ فی طبیعۃ الانسان۔

ثواب و عذاب تعمیل احکام و اطاعت یا نافرمانی کے سبب سے ہے۔ جس کی تائید نفاق و شرک کرنے والوں یا کرنیوالیوں کے لحاظ سے ہوتی ہے اور نفاق و شرک بغیر عمل کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔

حضرت علیؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت و طریقہ دین کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا "المعرفت راس مالی" (شفا قاضی عیاض) آپ نے یہاں معرفت کو پونجی فرمایا۔ اپنے ذاتی مال کی پونجی وہ ہی کہلا سکتی ہے جس کو انسان ضرورت ذاتی کے وقت خرچ کرے۔ مفروضہ اعمال کا ہونا احکام الٰہی کی انجام دہی کے وقت یہ جان کر کرنا کہ اپنے رب کا حکم بجا لا رہا ہوں خلوص کی بین دلیل ہے اور یہی اطاعت کرنے میں راس المال کا خرچ کہلا سکتا ہے۔ گویا ذمہ داری و امانت کی ادائیگی میں شریعت کا لحاظ رکھنا معرفت ہے۔ اور اعمال بذاتِ خود امانتِ الٰہیہ کی ادائیگی کا نام۔ اعمال کرتے وقت رب تعالیٰ کی جانب نظرِ مشاہدہ رکھنا معرفتِ ذاتِ حق سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بالکل وہبی ہے اور فضلِ باری پر موقوف۔ یہ فضلِ رب انبیاء و صلحا و اولیا کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ ہر شخص اس کا مکلف نہیں ٹھیرایا جا سکتا تو معرفتِ ذاتِ حق کو امانت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں اور نہ رازِ اسرار معرفت و درد محبت کہنا لائق و مناسب۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تازہ ترین علمی اور ادبی تصنیف

غبارِ خاطر

مولانا کے علمی اور ادبی خطوط کا دلکش اور عنبر بیز مجموعہ۔ یہ خطوط موصوف نے قلعہ احمد نگر کی قید کے زمانہ میں اپنے علمی محبِ خاص نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام لکھے تھے جو رہائی کے بعد مکتوب الیہ کے حوالے کیے گئے، اس مجموعے کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ مولانا ابوالکلام جیسے مجمع فضل و کمال کی تالیفات میں اپنے رنگ کی بے مثال تراوشِ قلم ہے۔ ان حضرات کے مطالعہ کے بعد مصنف کے دماغی پس منظر کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ سطر سطر موتیوں سے ٹکی ہوئی ہے۔ قیمت مجلد خوبصورت گرد پوش چار روپے۔

مکتبہ برہان دہلی۔ قرول باغ

ادبیات

فتنۂ یہود

از جناب مولانا سیماب صاحب اکبرآبادی

جو ہیں مردودِ رب، مردود ہیں وہ دونوں عالم میں
اماں لیں چادرِ موسیٰؑ میں، یا دامانِ مریمؑ میں

ابھی شاہد ہے نم آلودگی "دیوارِ گریہ" کی
یہودی آج تک مصروف ہیں، صدیوں سے، ماتم میں

یہی اک قوم ہے سرگشتہ و برباد و آوارہ
ٹھکانا ہی نہیں اس کا کہیں، اقصائے عالم میں

خدا سے منحرف، نبیوں کی قاتل، گمرہ و سرکش
یہی اک ناخلف اولاد ہے، اولادِ آدمؑ میں

یہ آخر سایۂ اسلام میں کیوں آ نہیں جاتے؟
یہ آخر کیوں پڑے ہیں مدتوں سے فکرِ مبہم میں

نہ مشرق غمگسار ان کا نہ مغرب دوستدار ان کا
کلیسا میں جگہ ان کی نہ بیت اللہِ اعظم میں

جلالِ حق کو جھوٹے آنسوؤں پر رحم کیوں آئے؟
ازل سے اختلافِ خاص ہے خورشید و شبنم میں

عرب کیوں ساتھ دیں اُس قوم کا جو اُنکی دشمن ہے
انھیں ایسی پڑی ہے کیا کہ ڈالیں جان جوکھم میں

زبانوں پر ابھی یہ فیصلہ جاری ہے قرآں کا
"یہودی دوست ہو سکتا نہیں ہرگز مسلماں کا"